نفاذِ عُشر ـــــ ایک مذاکرہ

علمی وفقہی وتحقیقی سہ ماہی مجلّہ منہاج کی مجلسِ ادارت نے

بعد از نماز ظہر دیال سنگھ لائبریری لاہور کے ہال میں نظام عشر کی برکات اور اثرات پر ایک مذاکرے کا اہتمام کیا۔ میزبان مذاکرہ جناب مولانا سید محمد متین ہاشمی نے جناب ڈاکٹر عبدالغفور بھٹی سابق وزیر زراعت پنجاب کو نفاذِ نظام عشر کے بارے میں اپنے لکھے ہوئے تاثرات پڑھ کر سنانے کی دعوت دی۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نے عشر کی رقوم کے استعمال کے ممکنہ اثرات کا جائزہ لیتے ہوئے مصارف عشر کے بارے میں علماء کرام کی رائے معلوم کی۔ ان کا مقالہ پیش لفظ کے طور پر من وعن شاملِ مذاکرہ ہے۔

پاکستان میں ۱۵ / مارچ ۱۹۸۳ء سے عشر کے نظام کا قانوناً نفاذ ہو چکا ہے اور پاکستان آرڈیننس XVIII مجریہ ۱۹۸۰ء کے تحت عمل میں آیا ہے۔ جس کی رو سے زکوٰۃ کا نفاذ یکم رمضان المبارک ۱۴۰۰ھ (۱۴ / جولائی ۱۹۸۰ء) سے کیا گیا تھا جبکہ عشر کا نظام عملاً اب نافذ کیا جا رہا ہے۔

بلاشبہ حکومت کا یہ اقدام نفاذ شریعت کی جانب ایک مثبت اقدام ہے۔ جس سے یقیناً ملکی معیشت پر دور رس نتائج مرتب ہونے کا امکان ہے۔ گذشتہ ڈھائی سال کے عرصہ میں کروڑوں روپے زکوٰۃ کی مد سے جمع ہو کر غرباء اور مستحقین میں تقسیم ہو چکے ہیں اور اس رقم میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ حکومت نے زکوٰۃ کی رقم کے لیے زکوٰۃ کمیٹیاں تشکیل دیں۔ جن کی وساطت سے یہ رقم مستحقین میں تقسیم کی جا رہی ہے۔ اگرچہ زکوٰۃ کی تقسیم کے سلسلہ میں متعدد شکایات ہوتی رہی ہیں۔ مگر بحیثیت مجموعی یہ کام تسلی بخش طریقہ پر سرانجام پا رہا ہے۔ تاہم زکوٰۃ کی فراہمی اور تقسیم سے جن برکات

اور فوائد کی توقع تھی وہ نمایاں طور پر محسوس نہیں ہوئے نہ زکوٰۃ ادا کرنے والوں کو یہ احساس ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی سے وہ ایک دینی فریضہ ادا کر رہے ہیں۔ اور نہ ہی اس سے مستفید ہونے والے اسے اسلامی نظام کی برکت تصور کرتے ہیں۔ اس کی چند بڑی وجوہات مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ **زکوٰۃ کی فراہمی** زکوٰۃ کی فراہمی زیادہ تر بنکوں میں جمع شدہ رقوم سے منہا کر کے کی جاتی ہے۔ جہاں ان رقوم پر ۸ ½ فیصد سالانہ منافع حاصل ہوتا ہے اور زکوٰۃ کی شرح ۲ ½ فیصد سالانہ ہونے کی بنا پر رقم جمع کرنے والے کو یہ احساس نہیں ہوتا کہ وہ راہ خدا میں کچھ دے رہا ہے۔ البتہ منافع کی شرح ۸ ½ فیصد کی بجائے ۶ فیصد رہ جاتی ہے۔ سیونگ اکاؤنٹ میں رقم جمع کرنے والے کچھ زیادہ منافع کی توقع بھی نہیں رکھتے۔ اس طرح سے یہ فریضہ بآسانی ادا ہو رہا ہے۔

۲۔ اگرچہ ملکی سطح پر یہ رقم کروڑوں کی بنتی ہے۔ لیکن تمام واجب الاداز کوٰۃ کی عشر عشیر بھی نہیں ہے۔

زکوٰۃ کی رقوم کی تقسیم جب تمام ملک میں ہوئی۔ تو فی کس اس قدر کم رقم بنی کہ موجودہ مہنگائی کے دور میں مستحقین کی ضرورت پوری کرنے کے لیے قطعاً ناکافی تھی اس لیے نظام زکوٰۃ کے ملکی معیشت پر کوئی قابل ذکر اثرات مرتب نہیں ہو پائے۔ اور نہ ہی حکومت کی جانب سے زکوٰۃ کی وصولی کے سلسلہ میں کسی جبر یا طاقت کے استعمال کی نوبت آئی۔ کیونکہ عوام کو اپنی رقوم سیونگ اکاؤنٹ سے نکلوا کر دوسرے کئی قسم کے اکاؤنٹ میں تبدیل کروانے کا اختیار تھا۔ زکوٰۃ کی تقسیم بھی بلحاظ وارڈ یا حلقہ چند ہزار روپیہ سے زیادہ نہ تھی۔ اس لئے اس کی تقسیم بھی زیادہ نزاع کا باعث نہیں بنی اور چونکہ حکومت کی طرف سے کچھ ملتا ہی تھا۔ اس لیے اگر کسی قدر جانب داری بھی

ہوئی۔ تو اس کو برداشت کر لیا گیا۔ روپیہ کہیں اور سے آیا تھا۔ اس لیے عوام کی اس سے دلچسپی زیادہ نہیں تھی۔

عشر کا نظام

مذکورہ آرڈیننس اور اس کے تحت عشر کے اثرات نہایت دور رس ہوں گے لیکن بد قسمتی سے عشر کو بھی زکوٰۃ کے تجربے پر محمول کرتے ہوئے وہ اہمیت نہیں دی جا رہی ہے۔ جس کا یہ متقاضی ہے۔ حالات کا صحیح اندازہ نہ ہونے کی وجہ سے خطرہ ہے کہ کہیں اس کا نفاذ ملک میں پھر ایک بار وہی حالات نہ پیدا کر دے۔ جس سے ۱۹۷۰ء میں یہ قوم دوچار ہوئی تھی کہ روٹی کپڑے اور مکان کے وعدے کے عوض متاع دین تک لٹانے پر تیار ہو گئی تھی اور جس کا کفارہ ۱۹۷۶ء تا ۷۷ کے دوران قوم کو اپنے خون سے ادا کرنا پڑا۔ دیہات میں جہاں عشر کا نفاذ ہو گا، اب بھی ایسے غاصب موجود ہیں جو سادہ لوح دیہاتیوں کو بہ آسانی گمراہ کر سکتے ہیں۔ خصوصاً جبکہ عشر کی رقوم تمام مروجہ واجب الادا ٹیکسوں سے کہیں زیادہ ہوں گی۔

زکوٰۃ اور عشر میں فقہی فرق کے علاوہ جن معاشی اور معاشرتی حالات میں اس کا نفاذ ہو رہا ہے، وہ بھی بنیادی طور پر مختلف ہیں۔ مثلاً:

۱۔ دیہات کے لوگ، جن سے عشر وصول کیا جائے گا، معاشی اور معاشرتی لحاظ سے پسماندہ ہیں۔ شہری آبادی کی نسبت دیہات میں فی کس آمدنی $\frac{1}{5}$ سے بھی کم ہے۔

۲۔ غربت اور افلاس کے علاوہ دیہاتی آبادی عرصہ دراز سے معاشی استحصال کا نشانہ بنی رہی ہے۔ حکومت نے اجناس کی قیمتوں پر کنٹرول کر کے انہیں مصنوعی طور پر کم رکھا۔ جبکہ دیگر اشیائے ضرورت کی قیمتیں بلا روک ٹوک بڑھتی رہیں۔ یہاں تک کہ اب صورت حال یہ ہے کہ ایک من گندم کے عوض کاشتکار کو

جوتے کا ایک جوڑا بھی نہیں مل سکتا۔ تین من آلو کی بوری فروخت کر کے وہ تن ڈھانپنے کیا قمیض کا کپڑا تک نہیں لے سکتا۔ آمد و رفت کے کرایہ جات۔ ادویات کی قیمتیں مٹی کا تیل۔ غرضکہ ہر وہ چیز جو اسے بازار سے خریدنی پڑے۔ اس کی اجناس کی قیمتوں کے مقابلہ میں بہت زیادہ گراں ہو چکی ہے۔ شہری آبادی اور فیکٹریوں کے مزدور چونکہ منظم ہو کر حکومت کے لیے پریشانی کا باعث بن سکتے ہیں۔ اس لیے حکومتوں کی اکثر پالیسیاں انہی کے لیے زیادہ سے زیادہ مراعات مہیا کرتی ہیں نتیجتاً دیہات کی معیشت شہروں کی نسبت روبہ انحطاط ہو رہی ہے۔

۳۔ حکومت کے مادی وسائل کا ۷۰ فیصد حصہ بالعموم شہروں کی ضروریات زندگی بہم پہنچانے پر صرف ہوتا رہا ہے۔ اور محض ۳۰ فیصد دیہی آبادی کو سہولیات دینے پر خرچ کیا جاتا رہا ہے۔ حالانکہ آبادی کا تناسب شہروں میں ۲۵ فیصد سے کم اور دیہات میں ۷۵ فیصد سے زیادہ رہا جسکے نتیجہ میں دیہات زندگی کی آسائشوں سے یکسر محروم رہے اور وہاں اِس دور میں بھی مٹی کے گھروں میں رہنے والے انسان معاشرتی پسماندگی کی دردناک تصویر پیش کر رہے ہیں۔ اور اب ان پر معاشرتی ٹیکس۔ زکوٰۃ کی شرح جو زیادہ تر شہری آبادی پر عائد ہوگی، دوگنا یا چوگنا عشر لگانا بظاہر حالات کو مزید خراب کرنا ہوگا۔ تاوقتیکہ دیہات کے لوگوں میں جذبہ ایمان کو زیادہ مضبوط نہ بنایا جائے۔

۴۔ دیہات میں دینی شعور کا یہ حال ہے کہ ایک اندازے کے مطابق اکثر لوگ کلمہ تک صحیح پڑھنا نہیں جانتے۔ صرف ۱۹ فیصد لوگ نماز پڑھنا جانتے ہیں تقریباً ۱۱ فیصد نماز پڑھتے ہیں اور ان میں سے کوئی بھی نہیں جانتا کہ وہ کیا پڑھ رہا ہے۔ کیونکہ وہ نماز کے معنی نہیں سمجھتے۔ دیہات کے رہنے والوں میں

سے جن لوگوں کو اس تجزیہ میں شامل کیا گیا تھا کوئی بھی نہیں جانتا تھا کہ گناہ کسے کہتے ہیں۔ یعنی وہ اسلام کے اخلاقی ضابطہ حیات، بہ الفاظ دیگر اوامر اور نواہی سے قطعاً ناآشنا ہیں۔ ایسے میں شہری آبادی جو اس کے برعکس دینی شعور رکھتی ہے، کی نسبت دیہی آبادی سے زیادہ مالی قربانی کی توقع حقیقت سے اغماض ہوگا ہمارے دیہات کے لوگ قرآنی اصطلاح کے مطابق اعراب سے مختلف نہیں ہیں جس کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ :

قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ۔ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا يَدْخُلِ الْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۔ (الحجرات : ۱۴)

ترجمہ : "(یہ بعض) گنوار کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے، آپ کہہ دیجیے کہ تم ایمان تو نہیں لائے ہو، ہاں یہ کہو کہ ہم مطیع ہو گئے ہیں اور ایمان تو ابھی تمہارے دلوں میں داخل ہوا ہی نہیں ہے۔"

اور

اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ۔ (التوبۃ : ۹۷)

ترجمہ : دیہاتی (منافقین) کفر و نفاق میں بہت ہی سخت ہیں اور ایسے ہی ہیں کہ ان احکام کا علم نہ رکھیں جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل کئے ہیں۔

۵ ۔ دیہات کی اخلاقی حالت بھی پسماندہ ہے۔ ان میں ایثار کا جذبہ شہریوں کی نسبت کم ہے۔ لیکن عشر کی شرح زکوٰۃ کی نسبت بہت زیادہ ہونے کی وجہ سے شہریوں کی نسبت دیہاتیوں سے زیادہ مالی قربانی کی توقع کی جائے گی۔ اور پھر اس میں جبر کا عنصر بھی شامل ہے۔

۶۔ دیہات میں پارٹی بازی اور گروہی عصبیت بھی شہروں کی نسبت بہت زیادہ ہے۔ اس لیے وہاں عشر کی رقوم مخالف گروہ کے افراد کے حوالے کرنا اور ان کو من مانی تقسیم کی اجازت دینا ایک مشکل کام ہوگا بعید نہیں کہ کچھ لوگ ایک مخصوص مذہبی فرقہ کو عشر کی رعایت حاصل ہونے کی وجہ سے اختیار کرنے کو ترجیح دیں۔

۷۔ دیہات میں ایک غریب طبقہ ان بے زمین لوگوں پر مشتمل ہے۔ جو گاؤں میں محنت مزدوری کر کے گذر اوقات کرتا ہے۔ ہمارے دیہات میں مزدور ۱۵ تا ۲۰ روپیہ روزانہ مزدوری کرتا ہے۔ گندم کی کٹائی۔ چاول لگوائی وغیرہ ایسے کام ہیں۔ جن کی مزدوری اس سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں ایک دو بھینسیں رکھ کر اور ان کا دودھ بیچ کر گذر بسر کی جاتی ہے یا پھر بھیڑیں پال کر کچھ آمدنی حاصل کی جاتی ہے۔ چند مرغیاں بھی گھر میں رکھ لی جاتی ہیں۔ عشر اور زکوٰۃ سے ان لوگوں کی امداد کی وجہ سے کھیت مزدوری میں اضافہ ہونے کا امکان ہے۔ جس کے نتیجہ میں زرعی کاروبار متاثر ہو سکتا ہے۔ جب لوگوں کو بغیر کام کے معتدبہ رقم مل جائے تو پھر اُنہیں محنت کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

۸۔ ایسے لوگ دیہات میں بہت کم ہیں جن کا ذریعہ معاش بالکل کچھ نہیں ہے۔ یا پھر وہ معذور ہیں۔ بیوائیں اور یتیم بچے جو کام کرنے کے قابل نہ ہوں گو ان کی تعداد بھی اتنی زیادہ نہیں ہے۔ بچے جب ۸ تا ۱۰ سال کے ہو جاتے ہیں۔ تو پھر ان کو گاؤں میں مزدوری مل جاتی ہے۔ بیوائیں، چھوٹے یتیم بچے اور معذوروں کی امداد کے لیے زکوٰۃ کا انتظام کافی مستحکم کر لیا جائے تو ہو سکتا ہے کہ عشر سے حاصل شدہ رقم ضرورت سے کہیں زیادہ ہو۔ اس لیے ضروری

ہے کہ اس کے مصرف کے متعلق غور و خوض کیا جائے۔

دیہی معاشرہ

پاکستان میں دیہی معاشرہ ایک معاشی سطح پر توازن کی حالت میں ہے لیکن جب معاشی عوامل میں کسی قسم کی تبدیلی لائی جاتی ہے۔ تو لامحالہ اس کے نتیجہ میں وہ توازن برقرار نہیں رہتا اور معاشرہ میں تغیر رونما ہوتا ہے۔ اگر اس تغیر کی سمت متعین نہ کی جائے۔ تو یہ تعمیری شکل اختیار کرنے کی بجائے تخریبی نہج پر آگے بڑھنا شروع کر دیتا ہے۔ اس لیے پالیسی ساز ادارے کا فرض ہے کہ حتی الامکان حالات کے پیش نظر ایسی احتیاطی تدابیر اختیار کرے کہ یہ کارِ خیر معاشرے میں شر اور فساد کا موجب نہ بن جائے۔

۱۔ دیہات میں معاشرتی کمزوریاں مثلاً برادری سسٹم، دھڑے بندیاں اور گروہی تعصب شہری آبادی کی بہ نسبت زیادہ پایا جاتا ہے۔ اس لیے حق داروں کے تعین، عشر کی تشخیص اور ادائیگی میں غیر جانبداری کا امکان بھی کم ہے، بالخصوص جبکہ تشخیص اور تقسیم کا کام مقامی لوگوں کے حوالے کر دیا جائے۔

۲۔ دیہات میں بالعموم چند ایک بڑے زمیندار ہوتے ہیں۔ ان میں سے اکثر ملازمین سے کاشت کاری کرواتے ہیں۔ اور ان کے ذمہ عشر کی زیادہ رقوم واجب الادا ہوں گی چونکہ وہ خود عشر کمیٹی میں ہونگے یا کمیٹی پر اپنا اثر رسوخ استعمال کر کے عشر کی زیادہ تر رقوم اپنے ملازمین کو ہی دلوائیں گے۔ اور اس طرح سے ان کی تنخواہ جو وہ دیا کرتے ہیں نہیں ادا کریں گے۔ اگر عشر کمیٹی ان کے کہنے پر عمل نہیں کرے گی۔ تو پھر یہ ان کے کام میں رخنہ اندازی کرنے کی کوشش کریں گے اور انہیں کام نہیں کرنے دیں گے۔

۳۔ دیہات میں تعلیم کی کمی کی وجہ سے عشر کمیٹیوں کے لیے ایسے باصلاحیت

افراد کا ملنا مشکل ہوگا جو عشر کی اتنی بڑی رقومات کا حساب کتاب رکھ سکیں لیکن انہیں عشر میں سے ایک پڑھے لکھے آدمی کو ملازم رکھنے کی سہولت دے بھی دی جائے تو اسے کنٹرول کرنا ان کے بس کا کام نہیں ہوگا۔ بہرحال عشر کے حسابات میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔

۴۔ دور افتادہ دیہات میں عشر کے نظام کی پڑتال اور کنٹرول بھی ایک مسئلہ ہے اس لیے اس نظام کے بدنظمی کا شکار ہو کر ناکام ہونے کا بھی احتمال ہے۔

۵۔ چونکہ پٹواری کے مہیا کردہ اعداد و شمار کی بنا پر عشر کی تشخیص ہونی ہے اور جس طرح سے بڑے زمینداروں کی ملکیتی اراضی کے ریکارڈ میں فرضی اندراج ہوتے ہیں عشر کی تشخیص میں بھی بڑے پیمانہ پر فرض کاری کا امکان ہے۔ جس کے انسداد کے لیے خصوصی انتظامات درکار ہوں گے۔

۶۔ جس معاشرے میں ۸۰ فیصد سے زیادہ جہالت ہو۔ اس میں کسی ڈھیلے ڈھالے اقتصادی نظام کی کامیابی ہمیشہ مخدوش ہوتی ہے۔ زکوٰۃ کی رقوم خورد برد کرنے والوں کے خلاف سخت کاروائی نہ ہونے کی بنا پر یہ عام تاثر ہے کہ عشر کا نظام بھی بدعنوانی کو فروغ دینے کا باعث بنے گا۔ یہ صورت حال معاشرے کے اس عنصر کو جو اسلامی نظام کو دل سے قبول نہیں کر رہا لیکن مجبور ہے، اس نظام پر زبان طعن دراز کرنے کا موقعہ بہم پہنچائے گی۔

ان معاشرتی اخلاقی اور انتظامی مشکلات کے باوجود عشر کا نظام پاکستان کے دیہی عوام کے لیے انتہائی مفید بلکہ ناگزیر ہے قرآن کی رو سے حکومت وقت کا یہ فریضہ ہے کہ وہ عشر کو جو زمینی پیداوار کی زکوٰۃ ہے نافذ کرے۔

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ۔ (الحج ۴۱)

ترجمہ: (یہ لوگ ایسے ہیں کہ) اگر ہم انہیں زمین میں حکومت دیدیں تو یہ لوگ نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں اور (دوسروں کو بھی) نیک کام کا حکم دیں اور برے کام سے منع کریں۔

لوگ دیہات میں جس معاشی اور معاشرتی پسماندگی کا شکار ہیں وہ اس بات کی شدت سے متقاضی ہے کہ حکومت اس کی طرف فوری توجہ کرے۔ اور ایسے منصوبے اور سکیمیں تیار کرے۔ جو دیہات میں غربت افلاس اور پسماندگی کا تدارک کر سکیں تاکہ دیہی معاشرہ ایک فلاحی معاشرہ کی شکل اختیار کر سکے۔

پاکستان ایک زرعی ملک ہے اور اس کی معیشت کا انحصار زراعت پر ہے بدقسمتی سے ملکی آبادی کا وہ حصہ جو زرعی کام کا ذمہ دار ہے۔ لادین اور ظالم معاشی نظاموں کی وجہ سے مدتوں سماجی ناانصافی کا شکار رہا ملکی مسائل کا بڑا حصہ صرف شہری آبادی کو سہولیات بہم پہنچانے پر خرچ ہوتا رہا ہے لیکن ملکی معاشیات کی بنیاد استوار کرنے والے محنت کش جو کل آبادی کا ۷۵ فیصد ہیں، یکسر محرومی سے دوچار ہے بلکہ دانستہ طور پر ان کا معاشی استحصال کیا گیا۔

دستِ دولت آفرین کو مزد یوں ملتی رہی
اہل ثروت جیسے دیتے ہیں غریبوں کو زکوٰۃ

اب وقت آگیا ہے کہ اس معاشی ناانصافی کا مداوا کیا جائے اور اسلام کا بابرکت اور عادلانہ نظام نافذ کیا جائے تاکہ دیہات کی نہ صرف معاشرتی زندگی بدل جائے۔ بلکہ وہاں غریب لوگوں کے لیے روزگار کے زیادہ سے زیادہ مواقع پیدا ہوں یہ ایک

بدیہی حقیقت ہے کہ معاشرتی اور تمدنی ارتقا کے لیے مالی وسائل کی ضرورت ہوتی ہے اور اسلامی نظام میں ایک زرعی ملک کا سب سے بڑا مالیاتی نظام عشر کا نظام ہے جس کے نفاذ سے اربوں روپے جمع کئے جا سکتے ہیں اس کے علاوہ زکوٰۃ کے نظام سے بھی مزید رقم کی فراہمی کی توقع ہے۔ جو معاشرے کی تمدنی حالت کو یکسر بدل سکتی ہے۔ اس عمل کو تیز تر کرنے کے لیے حکومت اپنے وسائل کو بھی بروئے کار لا سکتی ہے۔ تاکہ صدیوں کی معاشی بے انصافیوں کا ازالہ ہو سکے۔ اور دیہات کے رہنے والے جدید معاشرتی سہولتوں سے بہرہ ور ہو سکیں۔

دیہات میں ایسے معذور لوگوں کی تعداد کچھ زیادہ نہیں ہے۔ جو محنت مزدوری سے روزی نہ کما سکتے ہوں۔ ایسے لوگوں کے نفقہ کے لئے زکوٰۃ سے حاصل شدہ رقم بھی کافی ہو سکتی ہے۔ جہاں ضرورت زیادہ ہو وہاں عشر سے کچھ رقم اس کام کے لیے استعمال کی جا سکتی ہے۔ اس کے بعد عشر کی باقی ماندہ رقم کسی ایسے منصوبے کے تحت استعمال کرنی ہوگی۔ جس سے معاشرے کے غریب طبقہ کی معاشی حالت بہتر ہو سکے۔ عشر کی رقم دیہات کے غریب اور پسماندہ عوام کی بہبود کے لیے استعمال کرنے کا طریقۂ کار اس وقت سب سے اہم مسئلہ ہے۔ غریبوں کی اجتماعی بہبود کے لیے عشر کی رقم کا استعمال فقہی اعتبار سے کیسے ممکن ہو تاکہ دینی فریضہ بطریق احسن ادا کیا جا سکے۔

اس میں شک نہیں کہ دیہاتی عوام کم علم ہیں ان میں دین کا شعور بھی پختہ نہیں، تعلیمی اعتبار سے تو شہری لوگوں سے وہ بہت پیچھے ہیں اور ان میں کئی قسم کی اخلاقی کمزوریاں بھی پائی جاتی ہیں لیکن اگر انہیں بتا دیا جائے تو وہ حرام کھانے اور سود کھانے پر ہرگز تیار نہ ہوں گے اس لیے ان کو اگر یہ ذہن نشین کرایا جائے کہ زمین کی جس پیداوار سے عشر ادا نہ ہو وہ حرام ہے۔ تو ان میں سے اکثر اسے استعمال نہیں کریں گے۔ خصوصاً

جب ان کو یہ بھی معلوم ہو کہ کھیت کی پیداوار سراسر اللہ تعالیٰ کے رحم وکرم پر ہے وہ تو اللہ تعالیٰ کے بھروسہ پر جو دانے ان کے پاس ہوتے ہیں۔ مٹی میں ملا دیتے ہیں اور اچھی طرح جانتے ہیں کہ بیج کا بارآور ہونا اس خالق اکبر کی قدرت کاملہ پر ہے اور اگر وہ چاہے تو پکی ہوئی فصل آناً فاناً ختم ہو سکتی ہے۔ اور بارہا انہوں نے ایسا ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔ اس لیے اگر انہیں یہ علم ہو کہ عشر دینے سے ان کی فصل کافی حد تک آفات سماوی سے بچی رہے گی تو وہ کبھی بھی عشر دینے میں ہچکچاہٹ نہیں کریں گے! البتہ اس کے لیے بہرصورت تعلیمی اور تربیتی پروگرام کی ضرورت ہوگی اور ذرائع ابلاغ کا بھرپور استعمال کرنا ہوگا۔ ائمہ مساجد اور خطیب حضرات کی خدمات حاصل کرنا ہوں گی۔ تاکہ عشر کی برکات دیہی عوام کے ذہن نشین کرائی جاسکیں۔ عشر کی وصولی اور تقسیم کے طریقۂ کار میں بھی مناسب ردوبدل ضروری ہوگا۔ کیونکہ عوام حکومت کو عشر کی رقوم دینا زیادہ پسند کریں گے بہ نسبت اس کے کہ وہ یہ رقوم اپنے مخالف دھڑے کے لوگوں کو دیں اس طرح سے عشر کے مستحق حکومت سے رقوم لینے میں کسی قسم کی عار محسوس نہیں کریں گے۔ لیکن وہ گاؤں کی کمیٹی کے ممبران کے ہمیشہ کے لیے زیر بار رہنا پسند نہیں کریں گے عشر کے انتظامات کو بھی کسی سرکاری محکمہ کے سپرد کرنا زیادہ مناسب ہوگا۔ جو ارکان عشر کمیٹی کے ممبران کی زیرنگرانی یہ کام سرانجام دیں۔ تاکہ یہ کام باضابطہ سرانجام ہو یہ کام عوام اور سرکاری ملازمین کے اشتراک ہی سے بہتر طور پر انجام پاسکتا ہے۔ کیونکہ سرکاری ملازمین کو اپنے فرائض کی ادائیگی کے سلسلہ میں حکومت اور عوام کے محاسبے کا خوف ہوگا۔

انفرادی مستحقین کی فہرستیں اور ان کی ضروریات کا تعین کرنے کے سلسلہ میں بھی عشر کمیٹی کے ارکان اہم کردار ادا کر سکتے ہیں تاہم آخری فیصلہ اعلیٰ سطح پر ہونا لازمی ہے تاکہ مقامی سٹاف کو اپنے کام کا ٹھیک اندازہ ہو سکے۔

عشر پر آپ نے سیر حاصل مقالے کے بعد ڈاکٹر صاحب نے خود ھی عام گفتگو کا آغاز کیا۔ (ادارہ)

ڈاکٹر بھٹی صاحب : بہرحال اب جو صورت پیش نظر ہے، عشر کی رقوم اگر ہم فلاح عامہ کے کاموں پر خرچ کر سکیں تو اس نظام کے بارے میں لوگوں کے اندر کسی طرح کی بداعتمادی پیدا نہیں ہوگی۔ دوسرے دیہی معاشرت اور معیشت میں انقلاب آجانے کا۔۔۔ لیکن ایک رکاوٹ ہے اس میں، چونکہ یہ ایک فقہی اور شرعی مسئلہ ہے۔ اس لیے ہمیں علماء کرام سے رجوع کرنا پڑا ہے۔ وہ اگر اس کی اجازت دے دیں تو پھر ہم سب کا فرض ہوگا کہ حکومت کو ایسی قابل عمل تجاویز پیش کریں تاکہ وہ عشر کی ان رقوم کو احسن طور پر استعمال کر سکے۔ حکومت کا اصول یہ ہے کہ جو لوگ مقامی سطح پر کسی سکیم کے لیے وسائل پیدا کر سکتے ہوں وہ انہیں ایک میچنگ گرانٹ دیتی ہے۔ یعنی حکومت ان نجی وسائل کو دوگنا کر کے اس سکیم پر خرچ کرتی ہے۔
میں نے جناب ہاشمی صاحب سے بھی اس سلسلہ میں بات کی تھی کہ اگر عشر کی رقوم کے بارے میں بھی ایسا ہو سکے یعنی ہر جگہ مقامی طور پر عشر سے جتنا روپیہ حاصل ہو اور حکومت اس پر میچنگ گرانٹ دیدے تو چند سالوں میں دیہات کی کایا پلٹ ہو سکتی ہے۔

لیکن یہ سب کچھ اس بات پر منحصر ہے کہ علماء کرام کیا فرماتے ہیں۔ میں حال ہی میں منعقد ہونے والی اسلامک اکنامک کونسل کی میٹنگ میں شرکت کرنے گیا تھا۔ وہاں ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی صاحب بھی مدعو تھے۔ انہوں نے چند مفید مشورے دیے اس سلسلہ میں ان کا خیال تھا کہ ہم دو طرح سے یہ کام کر سکتے ہیں۔ ایک اس طرح کہ ہم دیہی عامۃ الناس کو عام بہتری کے لیے عشر سے قرض حسنہ دے سکتے ہیں اور

پھر آسان قسطوں میں ان سے واپس لے سکتے ہیں لیکن ہمارے نظریاتی کونسل کے علماء کے خیال میں اس صورت میں رقم کی واپسی کی یقین دہانی کس طرح ہوگی۔

دوسری ان کی تجویز یہ تھی کہ غریب لوگوں کو قرض دلوادیں، بنک سے اور اس قرض کی ادائیگی عشر سے کریں۔ چنانچہ اس تجویز سے بہت سے نظریاتی کونسل کے ارکان نے اتفاق کیا۔

مولانا عبداللطیف صاحب: آپ نے فرمایا کہ جو مستحق حضرات ہیں انہیں بنک سے قرض دیدیا جائے اور اس کی ادائیگی عشر سے کر دی جائے۔ لیکن اس طرح کان کو الٹی طرف سے پکڑنے کی کیا ضرورت ہے۔ آخر عشر کی رقم غربا اور فقراء کو براہِ راست دے دینے میں کیا مشکل ہے؟

مفتی محمد حسین نعیمی صاحب: مشکل اس میں یہ ہے کہ زکوٰۃ کمیٹی خود تو مستحق نہیں البتہ اس میں اگر مستحقین کے نمائندے شامل کر لیے جائیں اور ان کے ذریعے سے اس کو خرچ کیا جائے تو مشکل آسان ہو جائے گی۔

مولانا عبداللطیف: اس طرح بھی بنیک کو ادا کرنے سے تملیک تو نہ ہوگی!

بھٹی صاحب: یہی ہماری مشکلات ہیں۔ جن کے اوپر ہم کو غور و خوض کرنا ہے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ اتنی بڑی رقم یوں ہی تقسیم کر دی گئی تو ہم کسی ایسے فائدے تک نہیں پہنچ سکیں گے جس سے دیہات والے یہ محسوس کریں کہ ان کی بہبود کا کوئی کام ہوا ہے۔ یوں تو وہ بددل ہو جائیں گے کہ کوئی عملی کام ہوا ہی نہیں۔

مولانا محمد متین ہاشمی صاحب: بھٹی صاحب کا یہ خیال ہے کہ یہ جو رقم عشر کی ہے، یعنی سات ارب روپیہ اب گاؤں کے مستحقین کی تعداد تو بس اتنی ہی ہے کہ اگر صدقہ فطر انکو دے دیا جائے تو وہ کافی ہو جائے گا — اگر اس رقم کو یوں ہی دیہی مستحقین میں بانٹ دیا جائے۔

تو دیہی معیشت متاثر ہوگی۔ اس لئے کوئی ایسی شرعی ترکیب نکالی جائے کہ یہ رقم اجتماعی رفاہی کاموں میں لگائی جاسکے۔ تاکہ دیہات کے لوگ یہ محسوس کریں کہ نظام عشر ان کے لیے مفید ہے۔ یعنی بنک سے قرضہ لیا جائے اور رفاہی ادارے کھولے جائیں یا دیہاتوں میں ایک بہت بڑا مسئلہ ہے وہ یہ کہ جو لوگ بے زمین ہیں اور مزارع کی حیثیت سے کام کرتے ہیں۔ ان کی رہائش کے لیے پانچ پانچ مرلے کے چھوٹے چھوٹے پلاٹ خرید کر انہیں الاٹ کر دیے جائیں اور رقم عشر سے ادا کر دی جائے۔

مولانا عبداللطیف صاحب: آپ نے جو یہ فرمایا کہ پانچ پانچ مرلے کے پلاٹ خرید کر مستحقین میں تقسیم کر دیے جائیں اور رقم عشر سے ادا کر دی جائے، ایسا کیوں نہ کریں کہ عشر کی رقم مستحقین کو دے کر انہیں اپنے لیے زمین خریدنے پر آمادہ کریں یعنی انہیں مالک بنا دیں اور وہ خود خریدیں اپنے لئے۔

ہاشمی صاحب: یہ تو ٹھیک ہے مگر اس میں اعتراض یہ ہوتا ہے کہ وہ دیگر ضروریات پر خرچ کریں گے اس طرح ان کا ایک مستقل مسئلہ حل ہو جانے سے رہ جائے گا کیوں ناں بنے بنائے مکان انہیں الاٹ کر دیئے جائیں، عشر کی رقم سے۔

مولانا عبداللطیف صاحب: ٹھیک ہے اگر آپ عشر کی رقم سے کوئی شے خرید کر کے کسی مستحق کو اس کا مالک بنا دیتے ہیں تو یہ بات غلط نہ ہوگی۔

ہاشمی صاحب: اس طرح ایک مسئلہ یہ طے ہوا کہ دیہات میں ایسے غریب لوگ جن کے پاس اپنی زمین نہیں ہے، اور وہ بیچارے مفلوک الحال: ہیں زمین نہیں خرید سکتے تو عشر کی رقوم سے زمین خرید کر انہیں دی جاسکتی ہے اور امداد بھی فراہم کی جاسکتی ہے جس سے وہ مکان تعمیر کرلیں۔

مولانا گلزار احمد مظاہری صاحب: میری درخواست یہ ہے مقاصد کسی شئے کے دو طرح کے ہو
ہیں۔ ایک فوری اور دوسرے دور رس۔ عشر اور زکوٰۃ کا فوری مقصد تو یہ ہے
توخذ من اغنیاءھم و ترد علی فقرائھم ۔ (کہ مالداروں سے وہ
کیا جائے اور فقراء میں تقسیم کر دیا جائے۔) تو فوری طور پر آپ فقرا کی جو امداد
سکتے ہیں وہ ان کا فقر و افلاس دور کرنا ہے۔ فوری مقصد تو یہ ہوا پہلے آپ با
اس کو طے کریں۔ اس کے بعد دور رس مقاصد اور فلاحی سکیمیں ہیں یعنی دس سال
بیس سال بعد، وہ بھی سوچیں مثلاً دیکھیں ایک آدمی کو اس وقت سو روپے کی
ہے آپ اس مفلس کو یہ کہتے ہیں کہ فی الحال صبر کرو دس سال بعد جب یہ اور
کامیاب ہو گی تو سب کے مسائل دور ہو جائیں گے۔ اس طرح سے اس کی
عزت تو دور نہ ہوئی۔ پھر منشاء عشر کیسے پورا ہوا؟

مولانا عبداللطیف صاحب: لیکن یہ بات تو حضرت اس وقت پیدا ہو گی۔ اگر ہم فقراء کو براہ ر
دینے والی مد بالکل ختم کر دیں۔ لیکن یہ ضروری نہیں یہ بھی سوچا جائے اور وہ
جاری رکھا جائے۔

ریاض الحسن نوری صاحب: بات یہ ہے کہ وہ رقم اتنی زیادہ ہے کہ فقر دور کرنے
بھی بچ رہے گی۔

مظاہری صاحب: تو پھر اس میں سے سکیمیں بنا سکتے ہیں۔

محمد اسلم سکھیرا صاحب: مجھے اگر اجازت دیں تو تھوڑا سا عرض کروں۔ تاکہ آپ کے
اس کا بیک گراؤنڈ ہو۔ پھر آپ اس کا مذہبی پہلو اور نقطہ نظر اچھی طرح سمجھ
گے اس وقت پنجاب میں جو پوزیشن ہے وہ یہ ہے کہ پچانوے کروڑ بچا
پچاس ہزار روپے کی رقم زکوٰۃ کے فنڈ سے پنجاب کو دی گئی،

جس میں سے انہتر کروڑ تہتر لاکھ

روپے بائیس ہزار زکوٰۃ کمیٹیوں کے ذریعے غرباء میں تقسیم کیے گئے اور بائیس کروڑ کی مزید رقم یعنی چھٹی قسط، جو اب جا رہی ہے۔ اور لوکل زکوٰۃ کمیٹیاں جو ایک ہزار سے بارہ ہزار کی آبادی تک ہیں، اس رقم کو غرباء میں تقسیم کریں گی۔ اس کے علاوہ دینی مدارس کو اسلامی تعلیم کے لیے دو کروڑ پچھتر لاکھ روپے کے قریب بطور امدادی جا چکی ہے۔ ویلفیئر انسٹی ٹیوشن کو دو کروڑ اڑسٹھ لاکھ روپے دیے جا چکے ہیں اور نوے لاکھ روپیہ بیوگان کی بحالی کی سکیم کے لیے تقسیم کیے جا چکے ہیں۔ جس میں ان کو سلائی کا کام سکھایا جاتا ہے۔ اور بعد میں مشینیں بھی انہیں دی جاتی ہیں اس طرح سے دوسری کئی رفاہی اور فلاحی سکیمیں ہیں جنہیں زکوٰۃ کی رقم سے امداد دی جا رہی ہے۔

اس طرح مختلف مستحق طبقوں مثلاً نادار سٹوڈنٹس کی امداد کی جا رہی ہے، تقریباً پچاس لاکھ روپیہ بطور وظیفہ ان کو دیا جا چکا ہے۔ ابھی حال ہی میں صدر صاحب نے سات کروڑ روپے پنجاب کے لیے دیئے ہیں یعنی جو طالب علم پڑھنا چاہے لیکن تعلیم جاری نہ رکھ سکے اس کی امداد کی جائے اس میں سے سترہ لاکھ روپے تقسیم ہو چکے ہیں۔ اور آپ کو سن کر خوشی ہو گی کہ ایک درخواست بھی نامنظور نہیں ہوئی۔ جس نے بھی اپنے پرنسپل کی تصدیق سے درخواست بھیجی ہے اس کی درخواست منظور کر لی گئی ہے۔ یہ تو ہوئے زکوٰۃ کے وہ مصرف جن میں ہم زکوٰۃ کی رقم خرچ کر رہے ہیں۔

ابھی آپ نے فرمایا تھا کہ عشر کا تجربہ کچھ زیادہ کامیاب نہ ہو گا کیونکہ مقامی عشر کمیٹیاں دھڑے بندی کی وجہ سے گڑبڑ کریں گی۔ تو میں عرض کروں کہ ڈسٹرکٹ زکوٰۃ کمیٹیوں میں سوائے ایک ڈپٹی کمشنر کے باقی عوام ہی کے لوگ ہیں، انہوں

نے ہی مقرر کرنی ہے کم اوسط پیداوار اور کم اوسط قیمت۔ فی ایکڑ پچیس فیصدی نہری باقی زمینوں کا۔ ۳۲ ½ فیصدی یہ جو ہے ٹیوب ویل والی زمینوں کا۔ ٹیوب ویل کا خرچ نکال کے باقی پیداوار پر پانچ فیصد عشر لگتا ہے لیکن ڈسٹرکٹ زکوٰۃ کمیٹی فی ایکڑ مختلف جنس کی پیداوار کی قیمت مقرر کر دے گی۔ چونکہ یہ قیمت ڈسٹرکٹ زکوٰۃ کمیٹی نے مقرر کرنی ہے۔ وہی فائنل اتھارٹی ہے۔ دھڑے بندیوں کی وجہ سے گڑبڑ کا جو امکان ہے اس کا تدارک یوں کیا گیا ہے کہ کمیٹیاں ڈسٹرکٹ لیول LEVEL پر فی ایکڑ پیداوار کی قیمت کا تعین کریں گی۔ لوکل کمیٹیوں کا کام یہ ہوگا کہ وہ اس بات کا تعین کریں کہ فی ایکڑ پیداوار کتنی ہوئی ہے یعنی سب کا دائرہ کار الگ الگ مقرر کر دیا گیا ہے۔

تیسری بات جو بھٹی صاحب نے فرمائی، پٹواری کے اختیارات کے بارے میں، تو یہ واحد نظام ہے، زکوٰۃ وعشر کا، جس میں کسی سرکاری آدمی کا عمل دخل نہیں، کوئی حیثیت نہیں، کوئی پوزیشن نہیں۔ پٹواری کو تو زکوٰۃ کمیٹی والے بلا کر پڑتال کر سکتے ہیں، خسرہ گرداوری سے دیکھ سکتے ہیں کہ مثلاً اتنے ایکڑ کاشت ہوئی ہے یعنی دس ایکڑ تو کیا خسرہ گرداوری میں بھی دس ہے، کم و بیش تو نہیں لیکن خسرہ گرداوری کے وہ پابند نہیں بلکہ موقعہ پر جا کر خود تسلی کر سکتے ہیں۔ پٹواری تو ان کی مدد کے لیے ہے۔ ویسے بھی اگر مقامی زکوٰۃ کمیٹی کی تشخیص غلط ہو تو تحصیل زکوٰۃ کمیٹی میں اس کے خلاف اپیل کی جا سکتی ہے ———

مگر اس کی شرط یہ ہے کہ تشخیص شدہ رقم کا پچاس فیصد پہلے جمع کرائے۔ ویسے آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ جو زکوٰۃ کا نظام ہے اس میں حکومت کا لفظ کہنا بھی ایک قسم کی زیادتی ہے۔ کیونکہ یہ جو مرکزی زکوٰۃ کونسل ہے اس میں ہائی کورٹ کے

جج ہیں اس کے چیئرمین سپریم کورٹ کے جج ہیں، مسٹر شفیع الرحمٰن۔ باقی پبلک کے ہیں۔ ایک ہوم سیکرٹری ہیں، مسٹر امتیازی صاحب۔ وہ ایک ممبر ہیں بس۔ یہی حال دوسری کمیٹیوں کا ہے۔ اب کوئی بڑی سے بڑی اتھارٹی بھی ان کو یہ نہیں کہہ سکتی کہ آپ یہ کریں بلکہ صرف ریکوئیسٹ کر سکتی ہے۔

ایک بات بھٹی صاحب نے اور کی تھی کہ بے ایمانی ہو رہی ہے، کام ٹھیک طرح سے نہیں ہو رہا اس کے بیلے میں عرض کروں کہ چوبیس ہزار پنجاب میں زکوٰۃ کمیٹیاں ہیں۔ ہمیں جو تحریری شکایات موصول ہوئی ہیں وہ زیادہ سے زیادہ تیس ہوں گی۔ اب اگر چوبیس ہزار میں سے تیس آدمی خراب ہیں تو یہ کہنا کہ سارا نظام ہی خراب ہے اور سب فراڈ کر رہے ہیں، غلط ہے.... اس میں فراڈ ہو ہی نہیں سکتا، وجہ اس کی یہ ہے، میں عرض کروں کہ یہ رقم ایک چیئرمین اور ایک ممبر مل کر نکلواتے ہیں اور جس جس کو دیتے ہیں اس سے دستخط لیتے ہیں۔ ریکارڈ ہوتا ہے۔ کسی آدمی کو چیئرمین اکیلا نہیں دے سکتا۔

البتہ اس میں تھوڑی سی دقت یہ آتی ہے کہ ہر چیز مشتہر کر کے لوگوں کے سامنے دی جائے تو اسلام میں یہ بھی ہے کہ کسی کو رسوا نہ کیا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ لوگوں کی عزت نفس کا خیال رکھا جائے۔ لیکن اس صورت میں فراڈ کی تھوڑی سی گنجائش بھی ہے جس کا کچھ تدارک اس طرح کیا گیا ہے کہ ایک چیئرمین کے ساتھ ایک ممبر دونوں مل کر طریقہ کار طے کرتے ہیں۔ دونوں پبلک کے نمائندے ہوتے ہیں کوئی سرکاری ملازم نہیں ہوتا ایک طرف تو لوگ کہتے ہیں کہ....

بھٹی صاحب : یہ کام یعنی زکوٰۃ کا نظام کوئی اتنا مشکل بھی نہیں۔ آپ نے جو کچھ فرمایا وہ درست ہے۔ لیکن بات یہ ہے کہ عشر کی شکل میں یہ جو اتنی بڑی رقم اکٹھی ہو گی